E-ISSN: 2706-8927
P-ISSN: 2706-8919
www.allstudyjournal.com
IJAAS 2020; 2(1): 251-254
Received: 13-11-2019
Accepted: 16-12-2019

Dr. Shabbir Asghar
Ex Research Scholar, Urdu Department LNMU, Darbhanga, Bihar, India

Corresponding Author:
Dr. Shabbir Asghar
Ex Research Scholar, Urdu Department LNMU, Darbhanga, Bihar, India

عبداللہ حافظؔ مشکی پوری کی شاعرانہ عظمت واہمیت

Dr. Shabbir Asghar

تعارف

شیراز کا میں ہوتا تو ہوتی مری بھی قدر
قسمت کو کیا کروں کہ ہوں حافظؔ بہار کا

ادبی دنیا جس شخص کو حافظؔ مشکی پوری کے نام سے جانتی ہے ان کا اصل نام سید ابو صالح عبد اللہ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں شاہ عبد الحکیم کے گھر مونگیر کے محلہ کیلا باڑی میں آنکھیں کھولنے والے حافظؔ کی زندگی میں کے زیادہ تر لمحات سات ندیوں کا گہوارہ تسلیم کیے جانے والے ضلع کھگڑیا کے موضع مشکی پور میں گذری۔ اسی مناسبت سے مشکی پور کو اپنے نام کا حصہ قرار دیتے ہوئے حافظؔ مشکی پوری کے نام سے ادبی دنیا میں مشہور ومقبول ہوئے۔

موصوف کی سوانح حیات پر قدرے تفصیلی اطلاعات ڈاکٹر فاروق الزماں نے اپنی تصنیف "ضلع بیگوسرائے کے مرحوم شعراء" میں درج کی ہیں۔ جس کی رو سے حافظؔ صاحب کے والد محترم شاہ عبد الحکیم موضع قادر آباد نزد برونی کے باشندہ تھے۔ شاہ صاحب قادرآباد سے نکل کر بارو آگئے تھے جہاں ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ حافظؔ صاحب کے بقول "ارشد علی ساغر باروی ان کے خالو تھے"۔ پھر وہ وہاں سے مشہور شہر مونگیر جا بسے تھے جہاں حافظؔ صاحب کی پیدائش ہوئی۔ حافظؔ صاحب کی شادی موضع بنہرہ، برونی کے زمیندار بابو صغیر صاحب کی صاحبزادیٔ اول سے ہوئی تھی، جو بابو کمال الدین زمیندار مشکی پور کی بھانجی تھیں۔ لیکن ڈاکٹر قمر جہاں کے مطابق ان کی شادی بی بی عظیمن سے ہوئی جو تیگھڑا کی رہنے والی تھیں۔ پہلی تحقیق استاذی ظفر حبیبؔ صاحب کی ہے جن کے بقول یہ اطلاع انہیں حاجی اختر باروی (رئیس بارو) مرحوم سے دستیاب ہوئی تھی اور دوسری اطلاع قمر جہاں صاحبہ کی ہے جو حافظؔ صاحب کے بڑے صاحبزادے کی نواسی ہیں۔ ممکن ہے ان کی دو شادیاں ہوئی ہوں اس لئے قمر جہاں نے لکھا کہ "واقعی حافظؔ صاحب کا رشتہ نہایت خوشگوار رہا"۔ اس کی صراحت ان کے پوتا علیم اللہ حالی صاحب کر سکتے ہیں۔ بہ حیثیت مشاق شاعر اپنے عہد میں وہ اردو شاعری کی دنیا میں مشہور ومقبول ہوئے۔ ظفر حبیب صاحب کے بقول تیگھڑا میں ان کی براہ راست رشتہ داری کا پتہ نہیں ملتا، البتہ ان کے والد محترم کے بارو آنے اور قیام پذیر ہونے کی اطلاع حاجی سید اختر باروی صاحب سے ملتی ہے جو اپنی جگہ مستند ہے اور خود حافظؔ صاحب نے اپنی شاعری اور شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے "اپنے چچا شاہ عبد الجلیل المتخلص بہ وجدؔ جو میر وزیر علی صبا لکھنوی کے تلامذہ ارشد میں تھے اور اپنے خالو سید ارشد علی ساغر باروی کے علاوہ شوق نیموی سے بھی اصلاح سخن کا موقع حاصل کیا ہے"

(بیگوسرائے کے مرحوم شعراء۔ ڈاکٹر فاروق الزماں)

حافظؔ صاحب ایک پختہ کار طبیب تھے، جب ان کی شادی بابو صغیر کی بڑی بیٹی سے ہو گئی تب وہ بابو کمال الدین مشکی پوری کے بھانجی داماد ہو گئے۔ چنانچہ علاج ومعالجہ کے لئے انہیں مشکی پور بلایا جاتا تھا۔ فن طب میں ان کی مہارت دیکھ کر کمال بابو نے اس داماد کو گھر داماد بنالینا پسند کیا۔ ان کے قیام کا انتظام بھی کیا اور خورش وپورشش کے بہتر مواقع بھی فراہم کئے۔ انہی بنیادوں پر جناب ابو صالح محمد عبد اللہ حافظؔ مشکی پوری ہو گئے

ہر دور میں شکست وریخت اور تصادم وپیکار اعلی قسم کی شاعری کی روحِ رواں رہی ہے۔ شاعر اپنے ماحول کی المناکیوں اور سارے درد وکرب کو اپنی روح میں جذب کر کے اپنی شاعری کے لئے غذا فراہم کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ شاعر تیز قوت احساس، دردمند روح اور اور ایک عظیم حوصلے کا مالک ہو تا کہ زمانے کے بخشے ہوئے غموں سے نباہ کر

کے طلسمی کھیل ،فصاحت وبلاغت اور زبان وبیان کی خوبیوں تک محدود ہے۔اس میں جذبے کا وہ ارتعاش نہیں جو شاعری کی روح ہوا کرتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حافظؔ کی شاعری کا ایک حصہ یہ ہے کہ جس کو لکھنو کی فنی غیر صحت مند شعری قدروں کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے لیکن یہ کلام ان کے سنجیدہ لمحوں کی تخلیق نہیں۔اس کے اسی شعری حصے کو سامنے رکھ کر ان کی پوری شاعری کو ہدف تنقید بنانا مناسب نہیں۔ان کے یہاں بہت سے ایسے اشعار بھی ہیں جن میں جذبے کی وہ تھرتھراہٹ اور داخلیت ملے گی جس کے بغیر شعر لفظوں کا طلسمی کھیل تو ہو سکتا ہے لیکن ہمیشہ زندہ رہنے والا شعر نہیں ہو سکتا۔ان کے کلام کو اندرون میں ڈھیر ساری چنگاڑیاں اور لفظوں کے ماورا مفہوم کی بجلیاں چھپی ہوئی نظر آئیں گی۔

شرمندہ کچھ ہیں ، کچھ ہیں خفا آج صبح سے
کیا جانے رات کیا نظر آیا ہے خواب میں؟

☆

یاروں نے جیتے جی تو مری قدر کچھ نہ کی
مرنے کے بعد آج ہے حافظؔ کی جستجو

حافظؔ عبد اللہ مشکی پوری ایک پر گو اور زود حس شاعر تھے۔قلمی بیاض میں کئی جگہ اس حقیقت کا اعتراف ملتا ہے کسی واقعہ وسانحہ سے متاثر ہو کر کسی کی کوئی نظم یا غزل پڑھ کر کسی دوست کا تحفہ قبول کر کے وہ فی البدیہہ اشعار کہنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔مشاعرے میں بھی کثرت سے شرکت فرماتے رہے اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق مصرع طرح پر طبع آزمائی میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے:

"حافظؔ مشکی پوری موجودہ ضلع بیگوسرائے کے علمی وادبی سرگرمیوں میں بیش از بیش حصہ لیا کرتے تھے۔۔۔ساغرؔ بارہوی مرحوم جو پیشہ سے وکیل تھے اور حافظؔ صاحب مرحوم کے خالو تھے ان کا قیام بیگوسرائے میں تھا۔ان کے زمانہ میں بیگوسرائے میں اچھا خاصا ادبی ماحول تھا۔حافظؔ صاحب اس ماحول میں نہ صرف یہ کہ خود لطف اندوز ہوا کرتے تھے بلکہ اپنی شعری تخلیقات سے تشنگان شعر وسخن کی تسکین کا سامان فراہم کیا کرتے تھے۔بیگوسرائے کے علاوہ جہاں کی مجلسوں میں ان کی شرکت کا پتہ ملتا ہے۔وہ لکھنیاں کی شعری محفلیں ہیں۔۔حافظؔ صاحب نے بیگوسرائے اور لکھنیاں کے علاوہ کٹیہار ،مظفر پور،بھاگلپوراور مونگیر کے مشاعرے بھی کثرت سے شامل ہوتے تھے گویا شاعری ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔کہا جاتا ہے کہ وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر گوئی میں مصروف ہو گئے تھے۔اپنے چچا وجدؔ مرحوم کی صحبت بابرکت سے انہوں نے خاصا استفادہ کیا۔شوق نیموی اور شوق قدوائی جیسے مشہور شعراء سے باضابطہ اصلاحِ سخن کا شرف حاصل رہا۔علاوہ ازیں قدیم شعراء کے دواوین کے مطالعہ کی وجہ سے ان کے اسلوب کے اثرات بھی کہیں کہیں بڑے واضح طور پر محسوس کئے جاسکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بسااوقات ان کے غزلیات میں روایتی آہنگ کی گونج صاف ملتی ہے۔بالخصوص شادؔ ،آتشؔ اور غالب کا شعری آہنگ شاعر کے اپنے انفرادی اور شخصی لب ولہجہ سے ہم آہنگ ہو کر کچھ عجیب لطف دیتا ہے۔

سکے اور درد وغم کی ساری چاشنی اپنی روح میں جذب کر کے اپنی شاعری میں سمو دے۔اس زاویہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو جناب عبد اللہ حافظؔ مشکی پوری ایک کامیاب شاعر نظر آتے ہیں جن کی شاعری میں درد وکسک کے سائے جاگیردارانہ تمدن کی مجروح انسانیت کی صدائے بازگشت ،انگریزوں کا ظلم وستم ،زمینداروں کا رعب ودبدبہ اور معاشرہ میں نفاق جیسی آمیزش جابجا دیکھنے کو ملتی ہے۔

ورثے میں ملی شاعری کا فن حافظؔ کو معراج شاعری تک تو نہ لے جا سکی مگر ان کے فن کی آفاقی حیثیت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی شاعری کے خمیر میں غالبؔ کی خود پسندی،میرؔ کا سوز،دردؔ کا تصوف اور آتش کے رنگینی کے اجزاء شامل تھے۔ان کی شاعری میں زمانے کے تقاضے پوشیدہ تھے۔درد مندانہ لب ولہجہ ان کی اپنی شناخت تھی۔شاعری کے لئے توازن ،اعتدال ،جذبہ وفکر میں ہم آہنگی اور فکر وفن کا حسین امتزاج ہونا ناگزیر ہے۔خیال کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اگر اسے بلندیٔ فن کا سہارا نہ ملے تو اس خیال کی بنیاد پر کوئی شعر نقد وجرح کے معیار پر کھرا نہیں اتر سکتا۔اسی طرح شعر فنی اعتبار سے خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اگر وہ فکری عنصر سے خالی ہے تو اسے اچھا شعر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جن شعراء نے کو فکر ونظر کو اپنی شخصیت کا جزو بنالیا اور تمام شعری روایتوں اور ادب کی دوامی قدروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی فکر وتجربہ کو شعری پیکر میں ڈھالا تو ایسی شاہکار تخلیق وجود میں آئی جن میں جمالیاتی شان موجود ہے اور جنہیں تنقید کے سخت معیار پر پرکھنے کے باوجود بھی جاوداں قرار دیا جا سکتا ہے۔حافظؔ مشکی پوری کا شمار بھی ایسے ہی شعراء میں ہوتا ہے۔

حافظؔ کی ابتدائی تعلیم لکھنؤ اور غازی پور میں ہوئی۔شعر وشاعری کا ذوق فطری اور خداداد تھا،خاندانی شاعر تھے،اس پر لکھنؤ کی فضا نے فکر نظر کو صیقل کرنے کا کام کیا۔آپ کے حقیقی چچا عبد الجلیل وجدؔ اپنے زمانہ کے ایک پختہ مشق شاعر تھے۔دبستان لکھنؤ کے نمائندہ شاعر آتش لکھنوی کے شاگرد عزیز سید وزیر علی صباؔ کے حلقۂ تلامذہ میں تھے۔اس کا اثر حافظؔ کی شاعری میں بھی جابجا دیکھنے کو ملتا ہے جہاں لکھنوی مزاج اور رنگ وآہنگ کی آمیزش نمایاں ہے۔

حسن کو جب سے ہوا ہوش خود آرائی کا
قابل دید تماشہ ہے تماشائی کا

حافظؔ کے کلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شاعری میں لکھنوی رنگ وآہنگ نمایاں ہے۔جہاں داخلیت کی جگہ خارجیت ،روح کی جگہ جسم اور معنویت کی جگہ لفظی تراش وخراش کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اس مکتبۂ فکر سے منسلک ادیبوں اور شاعروں نے غیر صحت مندانہ اور منفی اقدارِ حیات کی ترجمانی ہی کو شاعری کی معراج تسلیم کیا تھا اس طرح انہوں نے شعر کی روح اور اس کی لطافت کا خون کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ دبستان لکھنو کے بیشتر شعراء کا کلام اس عہد کے معاشرہ کی طرح بے روح اور کھوکھلا ہے۔لفظوں میں جذبات کی تھرتھراہٹ اور احساس کی برقی لہر ہوا کرتی ہے اس سے اس دبستان کے شعراء کا کلام خالی ہے۔حافظؔ کی شاعری کے بارے میں یہ ایک رائے قائم کی گئی ہے کہ حافظؔ کا کلام لفظوں

،ثقافت اور تصوف کو جگہ دی ہے۔ سر زمین ہندوستان میں غلامی ومحکومی کے خلاف اٹھ رہے نعروں اور آوازوں کو بھی بڑی بے باکی وچابکدستی کے ساتھ انہوں نے پیش کیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ہندوستانی عوام اپنے ٹوٹے بکھرے وجود کی کرچیاں چن چن کر اپنی تعمیر نو کی فکر میں مصروف تھے۔ملک کے باشندے شکست خوردگی کا احساس اپنے ذہنوں سے کھرچ کر ملک کی فلاح وبہبود کے منصوبے بنا رہے تھے۔ مختلف اصلاحی تحریکیں سرگرم عمل تھیں۔ سیاسی شعور پوری طرح بیدار ہو چکا تھا اور انقلاب کا تصور ذہنوں میں اپنی جگہ بنا چکا تھا پھر بھی اصلاحی تحریکوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔اصلاح معاشرہ اور ذہنی تعمیر کے بغیر کسی صحت مند انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ملک میں حکومت فرنگ کے مخالف تیز آندھی بہنے کے امکانات نمایاں ہوچکے تھے۔ایسے وقت میں حافظؔ نے اپنی شاعری میں ہندوستان وہندوستانیوں کے دل کی آواز کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔وہیں عالمی تناظر میں قوم مسلماں کی بربادی کا جو نقشہ پیش کیا وہ بھی قابل غور ہے۔

☆

چل گئی اب ہند میں بادِ سموم ارتداد
ہو گیا تاراج جس سے سبز باغ اتحاد
رہزنانِ دیں دلا کر دوستی کا اعتماد
چاہتے ہیں لوٹنا اسلام کا گنج مراد

☆

دل ان کا مطمئن ہے غلامیٔ کفر پر
آزادیٔ وطن کا مگر لب پہ ہے خروش
اللہ رے انقلاب دلِ عالمانِ ہند
ہے بت شکن کا رہنما آج بت فروش

یہ ان کی نظموں کے اشعار ہیں۔ حافظؔ صاحب طویل نظمیں لکھا کرتے تھے جو مکمل اور مبسوط ہوا کرتی تھیں۔ان نظموں میں اثر انگیزی بھر دینے کا ہنر بھی انہیں معلوم تھا۔

حاصل گفتگو یہ کہ حافظؔ کی شاعری کسی وقتی جذبہ ،شاعرانہ ترنگ یا لمحاتی ہیجان کا نتیجہ نہیں۔وہ ایک پختہ کار ذہن ،دردمند دل اور مشرق ومغرب کے علوم وفنون پر نظر رکھنے والے بالغ نظر شاعر تھے۔ انہوں نے غزل کے مواد اور ہیئت دونوں ہی میں خوشگوار تبدیلی کی اور اس کو ایسی شادابی، تاثیر اور تازگی بخشی کہ اس کے سہارے وہ بڑے شعراء کے مدمقابل جا پہنچے۔حافظؔ کی شاعری میں خلوص اور عمل کی خواہش اور ان کا زندگی سے بھرپور لہجہ بڑی توانائی اور تب وتاب پیدا کرتا ہے۔معاشرے میں پائے جانے والے معائب اور حادثات ،انسانی رشتوں کی بے حرمتی اور عام انسانوں کی مجبوری وحرماں نصیبی انہیں تھوڑی دیر کے لئے اداس ضرور کر دیتی تھی لیکن یہ انہیں مایوس نہیں کرتی ہے۔وہ ماحول کے سارے زہر کو اپنی روح میں جذب کر کے امرت کی شکل میں دنیا کو لوٹا دینا چاہتے تھے اور اس میں انہیں کامیابی ملی۔ان کے یہاں قنوطیت اور پژمردگی کی جگہ ایک سرشاری اور حوصلہ مندی کی ایسی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے جو وقتی طور پر فراری کو بھی دلِ زندہ کا مالک بنا دیتی ہے اور واقعی "مردہ دل کیا

دل ہجومِ غم سے نازک ہو گیا ہے اس قدر
مجھ سے جب پوچھا کسی نے حال میں رونے لگا

☆

سر رکھ دیا وہیں جب اٹھا بندگی کا جوش
کعبہ ہے یا کہ بت کدہ، اس کا تھا کس کو ہوش

بنیادی اعتبار سے وہ صرف غزل کے شاعر نہیں تھے لیکن غزل کے روایتی مزاج سے ان کی آگہی گہری تھی۔تصوف،زندگی اور زندہ دلی جو عام طور سے ایک سچے صوفی کی شناخت ہے۔حافظؔ کی غزلوں کے خاص موضوعات ہیں۔

عکس اپنا بھی نہ اس دیدۂ خود بیں میں چھپا
روبرو آئینے کے دعوی ہے یکتائی کا

اک عکس رخ ہے ان کا مگر نام مختلف
ہے نور ماہ میں ہے ضیاء آفتاب میں

الفاظ وتراکیب کے دروبست پر ان کی بھرپور توجہ رہتی تھی۔اشعار کی خوانگی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا شعری ذوق خاصا بالیدہ تھا ساتھ ہی تنقیدی شعور سے بھی وہ بڑی حد تک بہرہ ور تھے۔الفاظ کی تراش خراش سے شعر میں رنگینی بھرنا ان کا اپنا کمال تھا۔اگر چہ یہ کہا جائے کہ حافظؔ کی تحریر میں اجنتا کی مصوری کی لطافت ،قطب مینار کی رفعت ، تاج محل کی شان وشوکت ،لال قلعہ کی بلندی، گنگا کا بہاؤ، کوسی کا کٹاؤ، جنگل کی شادابی، کلیوں کی چٹک ،پھولوں کی مہک ،بادلوں کی آب پاشی، بلبل کی نغمہ سنجی اور عاشقی کی آہ وفغاں پائی جاتی ہے تو اس قسم کے انداز بیاں کو محض جذباتی کہا جائے گا اور میں یہ دعوی بھی نہیں کرتا۔لیکن یہ بھی سچ ہے کہ شاعری میں یہ تمام پہلو نمایاں اور موجود ہیں۔

ہر شئے حسین ہوتی ہے معلوم ان دنوں
آئے جو موت بھی تو الٰہی شباب میں
دوزخ سے ہم کو خلد میں بھیجا یہ دیکھ کر
اس خوگرِ الم کو ہے راحت عذاب میں
شرمندہ کچھ ہیں، کچھ وہ خفا آج صبح سے کیا
جانے رات کیا نظر آیا ہے خواب میں
اب اس کا کیا جواب کہ اس پر خفا ہیں وہ
کم بخت کوئی کیوں نظر آتا ہے خواب میں
لاکھوں امنگ دل میں اور اس پر یہ بندشیں
جی چاہتا ہے آگ لگا دوں شباب میں

☆

اللہ رے انقلاب دلِ عالمانِ دل — بے بت شکن کا راہ نما آج بت فروش

حافظؔ کی شاعری کا یہ ایک رخ ہے جو ان کی غزلوں میں نظر آتا ہے ۔کلاسیکی شاعری کا اعلی نمونہ ہم اسے کہہ سکتے ہیں لیکن اس سے الگ بھی ان کا ایک رنگ ہے۔حافظؔ صاحب نے شاعری میں سیاست

حناک جیا کرتے ہیں" کا احساس دلاتی ہے۔ یہ رجائیت اور زندہ دلی اردو کے مشہور شاعر آتش کے لب ولہجہ کی بازیافت معلوم ہوتی ہے۔

یہ مانا رونے والے جلد تجھ کو بھول جائیں گے
مری نظمیں تو رہ جائیں گی حافظؔ نوحہ خواں میری

قلم کو بند کرتے کرتے میں ان کی مشہور و معروف نظم "اللہ ہو" کے چند بند قلم بند کرتا ہوں۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے کہ آپ کا انتقال ۱۹۵۲ء میں کراچی میں ہو گیا اور آپ وہیں مدفون ہیں۔ آپ کے پوتا ڈاکٹر علیم اللہ حالیؔ اور بڑے صاحبزادہ سید احمد کی نواسی ڈاکٹر قمر جہاں صاحبہ ہمارے درمیان بطورِ توشہ و تحفہ موجود ہیں۔

پوچھا گل سے جو میں نے کہ اے خوبرو
کس کی رنگیں اداؤں سے رنگیں ہے تو
کس نے بخشی تجھے یہ دل آویز بو
ہنس کے بولا کہ اے عاشق رنگ و بو

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو